مولانا غلام رسول مہر

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سیّد احمد شہیدؒ کے بارے میں چند افسوسناک غلط بیانیاں

جامعہ دہلی کے ایک مضمون کا تنقیدی جائزہ

ماہ جون کے جامعہ (دہلی) میں حضرت حاجی امداد اللہؒ مہاجر کے متعلق جو مقالہ شائع ہوا، اس میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے بارے میں متعدد نادرست اور غیر مستند بیانات دیکھ کر تعجب ہوا۔ جب سید صاحب کے حالات تاریکی کے پردے میں تھے "سوانح احمدی" یا "حیات طیبہ" کے سوا کوئی ماخذ سامنے نہ تھا اس وقت بھی ایسی باتیں بہت کم کہی گئی تھیں۔ اب تو ان بزرگوں کی سیرت کا ایک ایک پہلو آشکارا ہو چکا ہے جن کی پوری زندگیاں مسلک رضا بر قیام و استواری میں گزر گئیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ غیر مستند اور غیر مناسب بیانات کیوں دہرائے جاتے ہیں۔ اس طرح علم یا حق و صداقت یا اسلامیت کی کون سی خدمات انجام پا سکتی ہے؟

جس چیز کو میں حق سمجھتا ہوں، ضروری نہیں کہ ہر شخص اسے حق سمجھے یا اسی طرح اسے حق سمجھے جس طرح میں سمجھتا ہوں، فکر و نظر میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم ایسی باتیں بے تکلف زبان قلم پر لے آئیں۔ جن کے لیے کوئی اصل و اساس اور کوئی بنیاد و مقام موجود نہ ہو یا جو واضح اور روشن تاریخی حقائق سے سراسر متفاوت ہوں۔

میں یہاں تمام بیانات پر مفصل تبصرہ کروں تو میری تحریر ایک مختصر مقالے کی حدود سے

تجاوز کر جائے گی لہذا اختصاراً ہی چند گزارشات پیش کرتا ہوں۔

بے دلیل بیان

فرمایا گیا ہے کہ شاہ عبد العزیزؒ نے سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبد الحئیؒ سے اصلاح رسوم اور فن سپہ گری کا کام لیا۔

میں پوچھتا ہوں کہ اس کی دلیل کیا ہے۔ یہ بیان شاہ صاحب یا شاہ عبد العزیزؒ کے خاندان کی کس روایت پر مبنی ہے۔ مولانا عبد الحئیؒ اور شاہ اسمٰعیلؒ ابتدا سے شاہ عبد العزیزؒ کے پاس موجود تھے وہ دونوں وعظ بھی کہتے تھے۔ غلط رسموں کی تردید بھی کرتے تھے۔ سید احمد بریلویؒ ۱۸۱۸ء میں دہلی آئے اور ایک مستقل جماعت کی تنظیم کے سلسلے میں کام شروع کیا۔ اس وقت سے مولانا عبد الحئیؒ اور شاہ اسمٰعیلؒ سید صاحبؒ کے ساتھ رہے۔

اس سے پہلے سید صاحب تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے شاہ عبد العزیزؒ کے پاس آئے تھے تو شاہ ولی اللہؒ کے انتقال پر کم و بیش چالیس برس گزر چکے تھے اگر شاہ عبد العزیزؒ سب کچھ اپنے والد ماجد کے منصوبے کے مطابق کر رہے تھے تو تعجب ہے کہ شاہ صاحب کو اتنی طویل مدت تک اس منصوبے کے حصہ سپہ گری کے بارے میں کوئی عملی قدم اٹھانے کا موقع نہ ملا اور جب سید صاحب نواب امیر خان سے الگ ہو کر ایک مستقل تنظیم کے لیے زندگی وقف فرما چکے تو شاہ صاحب کو اچانک یاد آگیا کہ ان کے والد ماجد نے جو منصوبہ بنایا تھا اس پر عمل کا وقت اب آیا ہے کسی معاملے کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کے بعد کچھ کہنا غیر مناسب نہیں لیکن حقائق سے یوں بلا تکلف اعراض کیوں کیا جائے یہ نئی بات مولانا عبید اللہؒ مرحوم و مغفور نے پیدا کی تھی۔
لیکن قیاسی یا خواہش کی خوشنما نمائش کے سوا اس کے لیے کوئی دلیل پیش نہیں کی تھی

اس سے بھی بڑھ کر تعجب اس بات پر ہے کہ اللہ کا ایک بندہ اپنے طور پر ایک نہایت ضروری اور نیک کام کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ اس کی عزیمت و ہمت کی مثال دور دور تک نہیں ملتی۔
لیکن آپ کو یہ بھی پسند نہیں کہ اس کے کام کا اعزاز اسے مل جائے اسے بھی دوسروں کے دامن میں ڈالنے کے لیے مضطرب ہیں حالانکہ ان بزرگوں کے دامن خود ان کے اعمال حسنہ

سے بھی لبریز ہیں پھر یہ لوگ کیسے نہ تھے کہ شاہ صاحب انھیں بتاتے رہتے کہ اب یہ کرو اب وہ کرو ایسے جید عالم تھے کہ جو صدیوں میں مشکل پیدا ہوتے۔

نجدی عقائد

فرمایا گیا ہے کہ سید صاحب اور شاہ صاحب حج کے لیے حجاز پہنچے تو انھوں نے نجدی عقائد قبول کر لیے۔

سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اہل نجد تو سید صاحب اور شاہ صاحب کے حجاز پہنچنے سے بہت پہلے وہاں سے رخصت ہو چکے تھے بلکہ نجد میں بھی ان کی حکومت ابراہیم پاشا مصری کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی۔ پھر سید صاحب اور شاہ صاحب نے نجدی عقائد کہاں سے لیے؟ اس حجاز سے جہاں ترکوں اور شریفوں نے دارو گیر کے ایسے سخت و شدید انتظامات کر رکھے تھے کہ کسی کے متعلق سرسری شکایت بھی کر دی جاتی تو گرفتار کر کے مقدمہ چلایا جاتا اور سخت سزا دی جاتی! اس حجاز میں جہاں طویل مدت کے بعد حضرت میاں نذیر حسین حج کے لیے گئے تھے تو صرف اس لیے بچ کر آگئے تھے کہ برطانوی قونصل نے ان کے لیے بطور خاص مداخلت کی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ نجدیوں کے مخصوص عقائد کیا ہیں۔ اہل نجد شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت کے وقت سے حنبلی چلے آتے ہیں۔ اور امام احمد بن حنبلؒ اہل سنت کے بزرگ آئمہ میں سے ہیں چار مسلمہ فقہی دبستانوں میں سے ایک امام ممدوح سے منسوب ہے۔

یہاں تقلید اور عدم تقلید کی بحث چھیڑنا بالکل ہی غیر مناسب ہوگا۔ لیکن نجدی تو بہر حال مقلد ہیں غیر مقلد نہیں۔ آخر سید صاحب اور شاہ صاحب کے عقائد میں سے کوئی چیز تو بتائی جائے جو اہل نجد سے اخذ کی گئی ہو؟

فرمایا گیا ہے کہ شاہ اسمٰعیلؒ تو غیر مقلد ہونے کا اعلان فرمایا کرتے تھے۔ نیز انھوں نے پنجتار (علاقہ سرحد آزاد) میں افغان علماء کو عدم وجوب تقلید کی دعوت دی تھی؟

گزارش ہے کہ کیا صاحب مقالہ ایک بھی اعلان ایسا شاہ صاحب کی طرف سے بطور ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ یہاں مجھے شاہ اسمٰعیلؒ کے مسلک کا کھوج لگانے یا اس پر بحث کرنے کی ضرورت

نہیں۔ لیکن وہ نومبر ۱۸۲۶ء سے مئی ۱۸۳۱ء تک سرحد کے مختلف علاقوں میں رہے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس مدت میں انھوں نے کوئی بھی عمل فقہ حنفی کے خلاف نہ کیا۔ ان پر اور جماعت مجاہدین پر غرض مندوں نے چھوٹے الزامات لگائے مگر ایسا کوئی الزام نہ لگایا گیا کہ ان کا کوئی عمل احناف کے مسلک عام سے مختلف و متفاوت تھا۔

پنجتار کے اجتماع

پنجتار میں علماء سرحد کے دو اجتماعات ہوئے ان میں تقلید عدم تقلید کا سوال ہی زیر بحث نہ تھا بلکہ ان کے انعقاد کے وجوہ اور محرکات بالکل الگ تھے۔ وہاں صرف یہ سوال موضوع بحث تھا، کہ جو مسلمان جہاد کی مخالفت کریں اور غیر مسلم دشمنوں کا ساتھ دیں، انہیں تقویت پہنچائیں اور مسلمانوں کے مقاصد کے لیے ضعف و تفرقہ کا باعث ہوں ان سے کیا معاملہ کیا جائے یہ فیصلہ بھی علمائے سرحد پر چھوڑا گیا تھا۔ اور شاہ صاحب صرف اس لیے اجتماع میں موجود رہے کہ کوئی چیز ان سے پوچھنی ضروری ہو تو پوچھ لی جائے۔ سید صاحب ابتدائی تقریر کے بعد مجمع سے اٹھ گئے تھے یہ سوال اس وجہ سے ضروری ہوگیا تھا کہ بعض خوانین سرحد سکھوں کے طرفدار بن گئے تھے ایک سے زیادہ مواقع پر اسلامی مقاصد اور عزائم جہاد میں رخنہ ڈال چکے تھے اور اس کا فیصلہ علمائے سرحد سے کرانا قرین مصلحت تھا۔ پنجتار کی دونوں مجلسوں کی رودادیں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک حرف صاحب مقالہ اپنے دعوے کی تائید میں پیش نہیں کر سکتے۔

انگریز اور سکھ

فرمایا گیا ہے۔ کہ شاہ صاحب اور سید صاحب نے انگریزوں کے جھانسے میں آکر غیر ملکیوں کی طرف سے جہاد کا رخ سکھوں کی طرف پھیر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جس بزرگ ہستی کے جہاد مقدس کا ایک اور صرف ایک نصب العین تھا کہ ہندوستان کو اجنبیوں کے تسلط سے نجات دلائی جائے اور یہاں ایک اصلح اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے اس کے بارے میں ایسے الفاظ نوک قلم پر لانا یقیناً دلدوز اور جاں سوز ہے۔

مصیبت یہ ہے، کہ ایسے الفاظ بے تکلف کہہ دینے والوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ جہاد کیا ہوتا ہے۔ شریعت نے اس کے لیے کیا کیا حدیں ضروری قرار دیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جہاں کوئی بیٹھا ہو وہیں تلوار اٹھا کر کھڑا ہو جائے، اور کہے کہ میں جہاد کر رہا ہوں، یہ جہاد نہیں، فساد انگیزی اور فتنہ پروری ہے۔

سید صاحب نے دعوت کے ذریعے سے رضا کار مجاہدین کی ایک بڑی جماعت تیار کی ہر حصہ ملک میں دعوت کے مستقل مرکز بنائے۔ ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ وہ وطن سے ہجرت کر کے نکلے جہاں ان کے لیے دنیا کی تمام راحتیں موجود تھیں۔ اہل و عیال سے الگ ہوئے جن سے اس دنیا میں دوبارہ ملاقات مقدر نہ تھی، کم و بیش تیس ہزار میل کا دشوار گزار سفر طے کر کے اس مقام پر پہنچے جہاں سے منظم جہاد شروع کیا جا سکتا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں کی آزادی خطرے میں پڑی ہوئی تھی اور ۱۸۲۶ء میں وہی ایک مقام تھا۔ جہاں اسلامی حکومتوں سے امداد کی بھی توقع تھی۔ اور پنجاب کے مسخر ہوتے ہی وہاں کی مسلمان اکثریت بھی جہاد کے لیے بہت بڑی قوت مہیا کر سکتی تھی جس کے بعد ہندوستان کی تطہیر کے بہترین ممکنات نظر آرہے تھے۔

مرقع عبرت

باقی رہا یہ امر کہ حالات نے مختلف اسباب کی بنا پر دوسری صورت اختیار کر لی، تو اس سے سید صاحب، شاہ صاحب اور مولانا عبدالحئی کے عزم و اقدام کی حقانیت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ ان کا معاملہ ادائے فرض تک محدود تھا، ان کا کام یہ تھا کہ مایوسی کی تاریکی میں امید کے چراغ جلاتے افسردہ دلوں میں زندگی کی نئی روح پیدا کرتے، اس کے لیے انھوں نے اپنا خون بے دریغ بہایا، اپنی جانیں اس طرح دے دیں جس طرح کوئی شخص درخت کا پتہ توڑ کر پھینک دیتا ہے۔ واضح رہے کہ وہ خون نہایت مقدس اور نہایت قیمتی تھا۔ اور وہ جانیں ایسی تھیں، اور وہ جانیں ایسی تھیں جن کی قیمت وہ کروڑوں جانیں بھی نہیں ہو سکتیں جنھوں نے سوا سو سال غیروں کی محکومی میں گزار دیے اور ان میں مجاہدین فی سبیل اللہ کی قدر و قیمت کا بھی کوئی احساس پیدا نہ ہو سکا۔

اس سلسلہ میں آخری سوال یہ ہے کہ اس کا کیا ثبوت ہے سید صاحب اور شاہ صاحب انگریزوں کے جھانسے میں آگئے۔ وہ کہاں انگریز کارفرماؤں سے ملے تھے۔ انگریز کارکنوں سے کون کون اور کب ان کے پاس پہنچے تھے؟ کیا "حیات طیبہ" اور سوانح احمدی کے بعض بے سروپا اور سراسر وضعی بیانات کے سوا بھی اس کا کوئی ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے جو واقعی مستند ہو۔

ایک اور افسانہ

فرمایا گیا ہے کہ نوشہرہ کی طرف کوچ کیا گیا تھا۔ تو اثنا راہ میں گزارش کی گئی تھی کہ اتنی دور جاکر سکھوں سے جہاد کرنا بعید از عقل ہے بہتر ہے کہ گھر کے گھر میں ہی انگریزوں سے نپٹ لیجئے ارشاد ہوا، ہمارا مقصود ملک گیری نہیں۔ انگریز دشمن سہی مگر فرائض مذہبی کی ادائیگی میں مانع نہیں مسلمانوں پر ظلم نہیں کرتا سکھ بہت زیادتیاں کرتا ہے۔ گزارش ہے۔

(الف) مقالہ نگار کا بیان صحیح نہیں۔ نوشہرہ کی طرف کہاں سے کوچ کیا؟ سید صاحب کہاں سے نوشہرہ جا رہے تھے؟ وطن سے نکلتے وقت تو سید صاحب یا کسی دوسرے صاحب کو یہ معلوم ہی نہیں کہ جہاد سرحد کے کس حصے اور کس مقام سے شروع ہوگا۔

سرحد پہنچنے کے بعد نوشہرہ کا رخ اس لیے کیا گیا کہ وہاں سے چند میل دور بدھ سنگھ بڑی فوج کے ساتھ اکوڑہ خٹک میں موجود تھا۔

یہ افسانہ "سوانح احمدی" میں کلکتہ سے متعلق کہا گیا ہے۔ جب سید صاحب حج کے لیے جا رہے تھے، لیکن بالکل بے اصل اور بے اساس ہے۔ اغلب ہے مولانا محمد جعفر تھانیسری نے یہ سرسید مرحوم سے لیا ہو۔ میں نے سب سے پہلے یہ سرسید کی تحریر میں دیکھا اور اس کے لیے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔

(ب): حقیقت یہ ہے کہ نہ کسی نے ایسا سوال کیا، نہ شاہ اسمٰعیلؒ یا کسی دوسرے نے یہ جواب دیا۔ نہ شاہ صاحب یا سید صاحب کی جماعت کا کوئی دوسرا فرد ایسا جواب دے سکتا تھا جو ان کے نصب العین کے بالکل خلاف تھا۔

شاہ اسمٰعیلؒ یا ان کے کسی رفیق نے کبھی یہ نہیں کہا کہ انگریز مذہبی فرائض بجالانے سے نہیں

روکتے اور کوئی سلیم العقل مسلمان یہ کہہ ہی نہیں سکتا۔ اس لیے بہت پہلے شاہ عبدالعزیزؒ اپنے فتوے میں یہ حقیقت کھول کر بیان کر چکے تھے۔ جس کی روشنی میں ایسا خیال بھی کسی کو نہیں آسکتا تھا۔

ملک گیری سے برأت

ج :- یقیناً سید صاحب یا شاہ صاحب کا مقصد ملک گیری نہ تھا۔ ان سے بیشتر بھی لوگوں سے تلواریں اٹھائی تھیں اور جا بجا ریاستیں قائم کرلی تھیں پھر وہ حالات کے مطابق جس سے تعلق رکھنا مفید سمجھتے رہے اس سے ربط وضبط پیدا کرتے رہے۔ اصول و معانی کا کوئی خیال نہ رکھا۔ نواب امیر خاں نے بھی یہی کیا تھا۔ جس کی بنا پر سید صاحب کو نواب سے الگ ہونا پڑا تھا۔ سید صاحب کی غرض و غایت یہ نہ تھی۔ ورنہ انھیں تو خود سکھ ایک ریاست دے رہے تھے۔

اخبار علمیہ

۱۹۹۴ء میں امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے پچاس سالہ یوم وفات کے موقع پر ایک نیشنل کمیٹی کے زیر اہتمام حضرت امام انقلاب کی یاد کے لیے جو پروگرام بنایا تھا۔ الحمد للہ! اس کے تحت اب تک متعدد کتب اور الولی کا ایک خصوصی شمارہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔	ماہنامہ الولی، حیدرآباد (سندھ) امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی نمبر ۱۹۹۴ء		صفحات: ۱۲۰
۲۔	مولانا عبید اللہ سندھی ..... ایک شخص سونے جیسا	سردار محمد امین خان کھوسو	صفحات: ۱۲۰
۳۔	مولانا عبید اللہ سندھی ..... افکار و خدمات	مولانا دین محمد وفائی	صفحات: ۱۴۴
۴۔	مولانا عبید اللہ سندھی کا انقلابی منصوبہ اور دیگر تحریرات		صفحات: ۱۹۲
۵۔	مقالات سیمینار مولانا عبید اللہ سندھی (ستمبر ۱۹۹۴ء میں منعقدہ سیمینار کراچی)		صفحات: ۱۶۰
۶۔	امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی (شخصیت اور سیرت) حضرت سندھی پر اہل قلم کے مضامین		صفحات: ۱۳۶

آخر الذکر مجموعہ سندھی زبان میں اور دیگر کتب اردو میں ہیں۔ ان کے علاوہ ذیل کی کتب زیر اشاعت ہیں۔

۱۔ مکاتیب مولانا عبید اللہ سندھی

۲۔ تحریک ریشمی رومال اور سندھ

۳۔ دار العلوم دیوبند سے مولانا عبید اللہ سندھی کا اخراج ..... پس منظر کے واقعات اور شخصیات۔

چند کتابیں حضرت امام انقلاب کی یاد میں بعض دوسری شخصیات پر بھی شائع ہوئی ہیں۔ یہ کتابیں ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری سندھی کی تصنیف و تالیف ہیں اور بعض مضامین کے ترجمے اور ترتیب میں نیشنل کمیٹی کے رفقا کا تعاون حاصل رہا ہے۔

سکریٹری
مولانا عبید اللہ سندھی اکیڈمی
۱/۹۔ علی گڑھ کالونی، کراچی۔ ۷۵۸۰۰